بہاول پور کی ثقافتی میراث: شاہی محلات

ڈاکٹر شاہد حسن رضوی

سابق ریاست بہاول پور کے عباسی فرمانرواؤں کا عہد حکومت تقریباً اڑھائی سو سال کے عرصہ پر محیط ہے جس میں سے قریباً نصف صدی تو انہیں اس علاقہ میں اپنے پیر جمانے، قبائلی سرداروں کو زیر کرنے اور اپنا تسلط قائم رکھنے میں گزر گئی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخیر میں جب یہ حکمران علاقائی شورشوں کو دبانے اور اپنی ریاست کی بنیادی مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں جہاں مختلف شہر اور بستیاں آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا وہاں اپنے اور اپنے خاندان کی رہائش کے لیے محلات کی تعمیر کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ شروع شروع میں والیان ریاست نے جن عمارات کو منتخب کیا تھا ان کی حیثیت اگرچہ حفاظتی قلعوں کی تھی لیکن یہی قلعے محلات کا بھی کام دیتے تھے۔

نواب بہاول پور کی پہلی رہائش گاہ

چنانچہ جب ۱۷۲۷ء میں نواب صادق محمد خاں اول نے نواب حیات اللہ خاں ملقب بہ شہسوار خاں صوبہ دار ملتان سے چودہری کا علاقہ بطور جاگیر حاصل کیا[1] تو قیاس یہ کہتا ہے کہ انہوں نے اس عمارت میں رہائش اختیار کی ہوگی جو چودری یعنی چاردر والی تھی اور جس کی وجہ سے اس علاقے کا نام چودری اور بعد میں بگڑ کر چودہری بن گیا، اس عمارت کا اگرچہ اب نام ونشان باقی نہیں رہا تاہم قدیم تاریخوں میں اس کا ذکر ملتا ہے اور مقامی روایات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہاں چاردریا چار دروازوں والی کوئی بڑی عمارت تھی جسے نواب صادق محمد خاں اول نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہیں بیٹھ کر انہوں نے اپنی مہمات کا آغاز کیا اور جوں جوں یہ مہمات کامیاب ہوتی گئیں ان کے مقبوضات ایک ریاست کی شکل اختیار کرتے گئے۔ اس کے ساتھ ہی تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ چودہری سے دو تین میل کے فاصلے پر قصبہ اللہ آباد وہ پہلا قصبہ ہے[2] جسے نواب صادق محمد خاں اول نے آباد کیا اور جس مقام پر ابتدائی ایام میں قیام کیا وہ چودری والی عمارت تھی جسے مقامی روایات وقرائن کے مطابق والیان ریاست کا پہلا محل کہا جا سکتا ہے۔

قلعہ ڈیراور کا استعمال بطور محل

قطع نظر اس کے جب ہم سابق ریاست بہاول پور کی حدود میں واقع عباسی فرمانرواؤں کے محلات کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو سب سے پہلے ہماری نظر قلعہ ڈیراور پر پڑتی ہے۔ یہ قلعہ احمد پور شرقیہ اور بہاول پور سے مساوی طور پر تقریباً ۴۲ میل کے فاصلے پر عین چولستان کے وسط میں واقع ہے۔ یہ قلعہ جس کے متعلق تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بھاٹی قوم کے راجاؤں نے ۸۳۴ء میں تعمیر کیا تھا۔[3] صادق محمد خاں عباسی اول نے جب گورنر ملتان کے ایماء پر یہاں کے سرکش قبائل کو زیر کرنے کی مہم کا آغاز کیا تو انہیں اپنے لیے کسی ایسے محفوظ مقام کی ضرورت لاحق ہوئی جہاں بیٹھ کر اس علاقے کے نظم و نسق پر بھی نظر رکھ سکیں اور کسی بیرونی شورش کا خطرہ بھی لاحق نہ ہو۔ اس غرض کے لیے انہوں نے قلعہ ڈیراور کو منتخب کیا جو اس وقت جیسلمیر کے راجہ راول سنگھ کے قبضے میں تھا۔ ۱۷۳۳ء میں نواب صادق محمد خاں اول نے اس سے جنگ کر کے قلعہ فتح کر لیا۔[4] اس قلعہ کا محل وقوع فوجی نقطہ نگاہ سے بہت اہم تھا۔ حد نگاہ تک ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے تھے اور پانی کا دور دور تک نشان نہ تھا اور کسی دشمن کا یہاں تک پہنچنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ امیر صادق محمد خاں عباسی نے اسی میں رہائش اختیار کی اور اسی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یہ قلعہ جو وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا ہے، قدیم ہندو طرز تعمیر سے تعلق رکھتا ہے جس میں نوابان بہاول پور نے وقتاً فوقتاً اپنی ضرورت اور ذوق کے مطابق ترامیم کیں۔ پہلے اس قلعہ میں چالیس مینار تھے جس میں نصف کچے اور نصف پکے تھے۔ عہد عباسی میں ان سب میناروں کو پختہ کیا گیا۔[5] قلعہ کے بڑے دروازے کے بائیں جانب سب سے بلند مینار ہے جسے کنکوھا مینار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (کنکوھا اس معمار کا نام ہے جس نے یہ مینار تعمیر کیے تھے) قلعہ کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو نواب کی رہائش کے لیے مخصوص تھا، حکومت سے متعلق کئی محکموں کے دفاتر بھی اسی قلعہ میں تھے۔[6]

۱۸۲۵ء میں نواب محمد بہاول خاں سوم نے قلعہ کے سامنے ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی جو دہلی کی جامع مسجد کے نمونے کی تھی جس طرح یہ مسجد قلعے کے سامنے تعمیر کی گئی اسی طرح دہلی کی شاہجہانی مسجد بھی لال قلعہ کے بالکل سامنے ہے۔[7] ڈیراور کی مسجد میں اعلیٰ درجے کا سنگ مرمر استعمال ہوا ہے۔ اس کے پاس ہی پانی کے لیے ایک پختہ تالاب بھی بنایا گیا تھا جس میں ضرورت کے لیے پانی جمع کر دیا جاتا تھا۔ جب قلعے کا عکس پانی میں پڑتا تو بڑا حسین منظر پیش کرتا تھا۔ قلعہ ڈیراور کے قریب ہی ایک قدیم شاہی قبرستان ہے یہاں ایک بڑے ہال کمرے میں جو شیشے کی خوبصورت چھت سے ڈھکا ہوا ہے والیان ریاست کے مزارات ہیں۔ تمام قبریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں اور ان پر کتبے نصب ہیں۔ ہر قبر پر خوبصورت فانوس بھی آویزاں ہے۔ قبرستان میں بیگمات کے علیحدہ مزارات ہیں اور یہ تمام مزارات پختہ اور رنگین ٹائلوں سے بنائے گئے ہیں اور ان کے دروازوں پر لکڑی کا دیدہ زیب کام ہے۔

امیر بہاول خاں (۴۹۔۱۷۴۶ء) جب برسرِ اقتدار آئے تو انہیں اندرونی خلفشار، خاندانی رقابت، اپنے مقبوضات کی نگرانی اور صوبیدار ملتان سے قریبی تعلق رکھنے کے لیے کسی مضبوط مرکز کی تلاش تھی چنانچہ اس ضرورت کے پیشِ نظر موجودہ شہر بہاول پور کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت یہ علاقہ سوڈھا کی جھوک کہلاتا تھا اور یہاں وڈیرہ محمد پناہ خاں گھمرانی کی حویلی کی باقیات موجود تھیں۔[۸] امیر بہاول خاں نے ان کھنڈرات کے گرداگرد ایک دیوار بنوائی جس سے شہر فصیل کا کام لیا گیا اور یہیں اپنی رہائش کے لیے ایک شاندار شیش محل، دولت خانہ اور دیگر شاہی عمارات تعمیر کرائیں۔[۹] یہ محل موجودہ جامع مسجد الصادق کے جوار میں واقع تھا۔[۱۰] اسی محل میں نواب کا دربار لگتا تھا اور یہیں ان کے شاہی مہمان بھی قیام کرتے تھے۔ چنانچہ بہاول خان ثانی (۱۸۰۹ء۔۱۷۷۲ء) کے عہد میں سادات بارہہ کے میر محمد کاظم علی خاں[۱۱] میر محمد بخش علی خاں وغیرہ یہاں آئے تو نواب بہاول خاں ثانی نے نہ صرف انہیں اپنا اتالیق مقرر کیا بلکہ انہیں اسی شیش محل میں ٹھرایا۔[۱۲] لیکن اس محل کی تعمیر کو ابھی چالیس سال ہی گزرے تھے کہ ۱۷۸۷ء میں کابل کے بادشاہ تیمور شاہ کے ایک سردار احمد خاں نورزئی نے بہاول پور شہر پر حملہ آور ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔[۱۳] نواب بہاول خاں ثانی نے قلعہ ڈیراور میں پناہ لی۔ افغانی فوج نے وہ لوٹ مار مچائی کہ لوگ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے۔ شہر کی تمام خوبصورت عمارات کو جن میں شیش محل اور دیوان خانہ بھی شامل تھا مسمار کر دیا۔[۱۴] شیش محل کے آثار اب کہیں موجود نہیں ہیں۔ تاہم قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ غالباً اس واقعہ کے بعد ہی نواب نے اپنی رہائش مستقلاً قلعہ ڈیراور میں رکھی کیونکہ وہ محفوظ ترین مقام تھا۔ البتہ امیر بہاول خاں ثالث (۵۲۔۱۸۲۵ء) نے احمد پور شرقیہ سے ۳ میل جنوب کی طرف ''ڈیراور'' کے راستے میں رہائشی عمارات کے لیے ایک وسیع رقبہ منتخب کیا جہاں رنگلا محل تعمیر کرایا گیا۔[۱۵]

تاریخ مراد میں درج ہے کہ ۱۸۲۸ء میں نواب محمد بہاول خاں ثالث نے کچی اینٹوں کی ایک بہت بلند اور لمبی دیوار بطور فصیل تعمیر کر کے ایک عالیشان حویلی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس میں باغات اور دیگر پختہ عمارات بھی تھیں۔ فصیل کے دروازے کے باہر مشرقی جانب ایک عالیشان مسجد کی بھی بنیاد ڈالی گئی تھی دربار اور جلوس خاص کے لیے ایک نفیس پختہ محل تعمیر کیا گیا تھا جس میں زمین دوز خوبصورت رنگین تہ خانے بھی تھے۔ محل کی بارہ دری میں نواب صاحب درباریوں کا سلام لیا کرتے تھے۔[۱۶] اس سلسلۂ عمارات کا نام ڈیرہ رکھا گیا۔ بعد میں نواب کے متوسلین نے بھی اپنی رہائش کے لیے یہاں مکانات تعمیر کر لیے اور اس جگہ اچھا خاصا ایک شہر آباد ہو گیا جو آج تک موجود ہے اور ڈیرہ نواب کے نام سے مشہور ہے۔ وہ رنگین اور نفیس عمارت جسے نواب صاحب کے پہلے خود ساختہ محل ہونے کا شرف حاصل ہے، محل قدیم کے نام سے موسوم ہے اور آثار قدیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قدیم محل کو پرانا کوٹ کے نام سے بھی معنون کیا جاتا ہے۔[۱۷] اس کی بیشتر عمارات اب معدوم ہو چکی ہیں۔

ریاست کا دارالحکومت بہاول پور منتقل ہونے کے بعد نواب صاحب نے زیادہ سے زیادہ توجہ بہاول پور پر دی چونکہ ابتدائی ایام میں بہاول پور شہر کی آبادی کا مسئلہ اچھا خاصا پریشانی کا موجب بنا ہوا تھا۔ لوگ باہر سے آ کر اس غیر خطے میں رہائش رکھنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس لیے نواب صاحب نے خود جگہ جگہ عالیشان عمارات بنوا کر لوگوں میں تحریص و ترغیب پیدا کی۔ یہ عمارات سرکاری ضروریات اور رہائشی مقاصد دونوں کے لیے تھیں چنانچہ پرانی کوٹھی جس میں کچھ عرصہ پہلے تک ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کا دفتر تھا اور چیف منسٹر ہاؤس جس میں پرانی غلہ منڈی ہے اور نواب صاحب کا محل جس میں کچھ عرصہ قبل فوجی ہسپتال قائم تھا، بہاول پور کی اولین عمارات میں سے ہیں [18] جس میں نوابوں نے خود رہائش اختیار کی یا اپنے اہل کاروں کی رہائش کے لیے مختص کیں۔

نور محل

۱۸۷۲ء میں نواب صادق محمد خاں رابع کی رہائش کے لیے بستی ملوک شاہ کے قریب ایک محل تعمیر ہوا جس کا نام نور محل رکھا گیا۔ نور محل کی بلور جیسی سفید اور پرکشش عمارت دور سے بقعہ نور نظر آتی ہے۔ یہ محل جو اطالوی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ [19] صادق گڑھ پیلس کے بعد نور محل سابق ریاست بہاولپور کی خوبصورت ترین عمارت ہے۔ اس محل کی خوبصورتی کا اندازہ اس کے طرز تعمیر سے ہوتا ہے۔ یہ مستطیل نما ایک تین منزلہ عمارت ہے جس میں درمیانی ہال اور شرقی غربی کمروں کے علاوہ چاروں کونوں پر چار کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان چاروں کمروں کے اوپر چار کمرے اسی لمبائی چوڑائی کے بنے ہوئے ہیں جن کی چھتیں برج نما ہیں اور چوگوشیہ ہیں۔ یہ چوگوشیہ چار برج پانچویں درمیانی برج کے ساتھ جو ہشت پہلو ہے اور سائز میں سب سے بڑا ہے محل کی عظمت کا ایک عجیب سماں پیش کرتے ہیں۔

عمارت کے وسطی حصے میں ایک نہایت وسیع و عریض ہال ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر نقاشی کا خوبصورت کام ہے۔ ہال میں ایک اسٹیج بنا ہوا ہے جس پر چاندی کی کرسی نواب صاحب کے بیٹھنے کے لیے تھی۔ ہال اور دوسرے کمرں کی دیواروں کو والیان ریاست کی تصاویر سے مزین کیا گیا تھا۔ بعض کمروں میں بڑے بڑے قد آدم آئینے بھی تھے جو مختلف خاصیتیں رکھتے تھے۔ مثلاً ایک آئینے کے سامنے جائیں تو اس میں انسان غیر معمولی فربہ نظر آتا تھا اور اسی طرح ایک دوسرے آئینے کے سامنے جانے سے انتہائی دبلا دکھائی دیتا تھا۔ ایک زمانے میں پورا محل سنہری اور روپہلی فانوس اور بہترین فرنیچر سے آراستہ تھا۔ نور محل کا نقشہ ریاست کے انجینئر مسٹر ہنین نے تیار کیا تھا اور اسی کی نگرانی میں ۱۸۷۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۷۵ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ محل کی بنیاد میں ریاست کے سکے [20] اور ایک تحریر جس میں تعمیر محل کی تاریخ وغیرہ درج تھی رکھے گئے تھے۔ اس محل کی تعمیر پر بارہ لاکھ روپے سے زیادہ خرچ ہوئے۔ [21] بہاول پور کے سرکاری اخبار ''صادق الاخبار'' نے اس کی تاریخ تعمیر یہ شائع کی تھی۔ عروجش تا قیام آسماں باد (۱۲۹۲ھ) [22]

۱۹۰۲ء میں نواب محمد بہاول خاں خامس نے نور محل کے احاطے میں صدر عمارت سے دو سو گز کے فاصلے پر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔[۲۳] یہ مسجد لاہور کے چیفس کالج کی مسجد کے نمونے کی ہے جس کی تعمیر کا شرف بھی نواب موصوف کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں حاصل ہوا تھا۔ نور محل کی مسجد کی تعمیر پر اس زمانے میں ۳۰ ہزار روپے سے زائد خرچ ہوئے تھے اور اس کی بنیاد میں بھی ریاست کے طلائی، نقری اور مسی کے سکے ایک بوتل میں بند کر کے رکھے گئے تھے۔ بوتل کے ساتھ مندرجہ ذیل رباعی بھی نہایت خوش خط لکھوا کر رکھی گئی تھی۔[۲۴]

بہاول خاں خامس حامی دیں　　سراج ملت بیضاء پیغمبری
بنا فرمود ایں مسجد معلیٰ　　بہ سال سیزدہ صد بست ہجری

نور محل میں نواب صاحب کے قیام کا زمانہ بہت مختصر ہے۔ تھوڑے ہی دن بعد قبرستان ملوک شاہ کے قرب اور وہاں کی فضاء میں جو قدرتی حزن کی کیفیات طاری تھیں اس نے یہاں سے سکونت ترک کرنے پر انہیں مجبور کر دیا لیکن ترک سکونت کے باوجود نور محل سرکاری تقریبات کے لیے مخصوص رہا۔ چنانچہ نواب صادق محمد خاں رابع کو اختیار حکومت سپرد کرنے کی رسم اسی محل میں ۲۸ نومبر، ۱۸۷۹ء کو ادا کی گئی تھی۔ اس موقع پر محل کو خوب سجایا گیا تھا اور ایک عالیشان دربار منعقد ہوا تھا جس میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر رابرٹ ایجرٹن نے بہ نفس نفیس یہاں آ کر نواب صاحب کو ریاست کے مکمل اختیارات سونپنے کا اعلان کیا تھا۔[۲۵]

نواب بہاول خاں خامس کی دستار بندی بھی اسی محل میں ہوئی تھی۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو ہزایکسی لینسی لارڈ برن کرزن وائسرائے و گورنر جنرل ہند نے یہاں آ کر ایک عالیشان دربار جو نور محل میں منعقد کیا گیا تھا،[۲۶] نواب بہاول خاں پنجم کو اختیارات سلطانی تفویض کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس دربار میں ہندوستان کی ممتاز اور اہم شخصیات کے علاوہ سو سے زائد یورپین افسران نے شرکت کی تھی۔ ''صبح صادق'' مصنفہ مولوی عزیز الرحمٰن میں درج ہے کہ:

اس موقع پر ''نور محل کے شمالی جانب ایک وسیع میدان میں مہمانوں کے لیے نہایت خوبصورت خیموں کا کیمپ تیار کیا گیا تھا۔ یہ میدان نہایت خوبصورت خوش وضع باغ کی صورت اختیار کر گیا تھا اور اس کے سبزہ زاروں کے اندر پھولوں کی قطاروں کے درمیان سرخ سڑکیں اور خوشنما روشیں بنائی گئی تھیں کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔[۲۷]

یہ محل ریاست کے آخری دور میں بطور سرکاری مہمان خانہ استعمال ہوتا رہا۔ یہیں پاکستان کے دوسرے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے اپنے دورہ بہاولپور کے دوران قیام کیا تھا اور نواب صادق محمد خاں خامس نے ان کے اعزاز میں گارڈن پارٹی دی تھی۔[۲۸] (اب یہ محل پاک فوج نے نواب کے ورثاء سے قیمتاً خرید لیا ہے) نور محل کے علاوہ بہاول پور کے دیگر محلات بھی اپنی شان و شکوہ کے لیے مشہور ہیں۔

دولت خانہ

۱۸۸۱ء میں نواب صادق محمد خاں رابع نے دولاکھ روپے کے مصرفے سے بہاول پور میں ایک اور محل تعمیر کرایا جو دولت خانہ کے نام سے مشہور رہا۔[۲۹] دولت خانہ میں اس وقت کی روایات کے مطابق قبہ دار مرکزی کمرے بھی تعمیر کیے گئے اور وسیع وفراخ کمرے اور محراب دار برآمدے بھی بنائے گئے۔ محل کا بڑا دروازہ شمالی جانب ہے اس کے لیے محراب دار گیٹ اور بڑا چوبی دروازہ بنایا گیا تھا۔ اس کے گرداگرد ایک قلعہ نما دیوار تعمیر کرائی گئی تھی اور دیوار کے ساتھ اندر کی طرف ایک خوبصورت باغ لگایا گیا تھا۔ اس کے جوار میں بگھی خانہ، رتھ خانہ اور توشہ خانہ کی عمارات تھیں اور ساتھ ہی نجی عملہ اور ملازمین کے دفاتر اور رہائش گاہیں بھی۔ مغربی جانب چار سو فٹ لمبا اور ایک سو پچاس فٹ چوڑا تالاب تھا جس کے سامنے ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے تین گنبد اور سنہری کلس ہیں۔ دولت خانہ کو ریاست بہاول پور کے آخری دو حکمرانوں یعنی نواب بہاول خاں خامس (۱۹۰۳ء-۱۸۹۹ء) اور نواب صادق محمد خاں خامس (۶۶-۱۹۰۴ء) کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔[۳۰] ریاست کے جمہوری دور میں اسے دارالسلام کا نام دیا گیا اور اسے یہاں کے منتخب وزیر اعلیٰ مخدوم زادہ سید حسن محمود کی سرکاری رہائش گاہ کا درجہ حاصل رہا۔[۳۱] شاہی محلات کا سب سے طویل سلسلہ جو دولت خانے کی شرقی سمت میں واقع ہے اور بغداد روڈ کے ساتھ مسلم ٹاؤن تک چلا جاتا ہے بہاول گڑھ کے محلات کے نام سے منسوب ہے۔

یہ تمام محلات کئی کلومیٹر رقبے پر محیط ایک سنگین اور خوبصورت فصیل میں واقع ہیں۔ ان محلات کی تعمیر کا منصوبہ نواب بہاول خاں خامس (۱۹۰۷ء-۱۸۹۹ء) نے ۱۹ مئی ۱۹۰۴ء میں منظور کیا تھا۔[۳۲] لیکن ابھی یہ طویل منصوبہ تکمیل کے مراحل میں تھا کہ جواں سال بہاول خاں انتقال کر گئے۔ یوں ان محلات کی تکمیل ۱۱-۱۹۱۰ء کے درمیان ہوئی۔[۳۳] اگرچہ محلات کے اس سلسلے کا نام بہاول گڑھ تھا تاہم ان محلات میں سب سے بڑے محل کا نام نواب موصوف کے نام پر مبارک محل رکھا گیا تھا۔ یہ محل چونکہ بیسویں صدی کے آغاز میں ہی سرکاری دفاتر کے لیے استعمال ہونے لگا تھا اور بہاول پور میں جب عوامی دور کا آغاز ہوا تھا تو اس وقت کے منتخب وزراء کے دفاتر بھی یہیں تھے اور اس کے ہال میں اسمبلی کے اجلاس ہوتے تھے۔[۳۴] چونکہ یہاں تواتر کے ساتھ دربار منعقد ہوتے رہتے تھے اس لیے یہ محل دربار محل کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج بھی جبکہ یہاں افواج پاکستان کے دفاتر ہیں یہ دربار محل کے نام سے ہی مشہور ہے۔

جہاں تک محل کی تعمیرات کا تعلق ہے مستطیل فصیل کا بڑا دروازہ مشرقی جانب ہے۔ محل کے دروازہ سے داخل ہوتے ہی دائیں طرف دربار محل کی شاندار دومنزلہ عمارت کا الگ احاطہ شروع ہو جاتا ہے جبکہ بائیں جانب

حفاظتی عملہ کے دفاتر وغیرہ کی عمارات ہیں۔نصف فرلانگ کے فاصلہ پر بائیں جانب ایک رفیع الشان محل ہے جس کا فرش اور مغرب ومشرق میں وسیع تھڑے سرخ پتھر سے بنائے گئے ہیں۔اس عمارت میں سابق ریاست کی وزارت تعلیم کے دفاتر اور اس کے نظامت تعلیمات کے دفاتر رہے ہیں۔اسی طرح کا ایک محل احاطہ فصیل کے جنوب مشرقی جانب بھی ہے جس میں انہار کے دفاتر مدتوں قائم رہے۔دربار محل کی دومنزلہ عمارت بہت خوبصورت اور آرائشی طریق پر بنائی گئی۔چاروں طرف خوبصورت اور محراب دار برآمدے اور سنگ سرخ کی سیڑھیاں ہیں،چاروں کونوں پر قبہ دار مینار نما تعمیرات ہیں جن میں سے سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں۔درمیان میں دربار ہال ہے۔محل کے سامنے جانب جنوب سنگ سرخ سے تعمیر کردہ نفیس اور دیدہ زیب بارہ دری کی عمارت ہے جس کے وسط میں سنگ سرخ کا تالاب اور فوارے نصب ہیں جو اس محل کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔[۳۵] اس بارہ دری میں ریاست کے وقت سے محکمہ اطلاعات کے دفاتر قائم تھے جو ون یونٹ کے خاتمہ تک رہے۔ان فواروں کو چلانے کے لیے جانب مشرق مسجد کے قریب ایک پانی کا آہنی ٹینک بلندی پر رکھا ہے جس کو رہٹ کے ذریعے کنوئیں کے شفاف پانی سے بھرتے تھے۔رہٹ کے بیل نیچے چلتے تھے اور پانی کھینچنے والے ڈول ٹینک کی بلندی تک پانی اٹھالے جاتے تھے۔قریب ہی مسجد بھی ہے جو صادق گڑھ پیلس کی مسجد سے ملتی جلتی ہے۔محل کی فصیل کے اندر مشرق کی طرف چھوٹی چھوٹی چند اور اضافی عمارات بھی موجود ہیں۔ ایک زمانے میں ان محلات کے چہار طرف مروئے کے پودے اپنی بھینی بھینی خوشبو سے سارے ماحول کو معطر رکھتے تھے۔

گلزار محل

۱۹۰۴ء میں نواب بہاول خاں خامس نے چند اور محلات تعمیر کرنے کی بھی منظوری دی تھی۔جن میں گلزار محل،نشاط محل اور فرخ محل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۳۶] گلزار محل،دربار محل کے متصل نہایت خوبصورت عمارات پر مشتمل ہے اس کے کئی دروازے ہیں۔کمروں کو نفیس فرنیچر اور خوبصورت قالینوں سے سجایا گیا تھا۔دروازوں پر عنابی رنگ کے مخملی پردے پڑے ہوئے تھے۔تمام دیواریں سنگ مرمر کی ہیں۔چھتوں پر پچکاری کا کام کیا گیا ہے۔بڑے بڑے فانوسوں نے اس کی شان وشوکت میں کافی اضافہ کردیا ہے۔ہال کے ساتھ ایک وسیع گیلری ہے جو شاید کبھی آرٹ گیلری کا کام دیتی تھی جس میں آرٹ کے نادر نمونے رکھے ہوئے تھے۔[۳۷] اب آرٹ کے نمونے تو نہیں البتہ بعض والیان ریاست کی تصویریں اب بھی دیواروں پر آویزاں ہیں۔کافی عرصہ تک یہ محل نواب صادق محمد خاں خامس کے ولی عہد (موجودہ نواب صلاح الدین کے والد) کے زیر تصرف رہا اب اس میں بھی فوجی دفاتر ہیں۔

صادق گڑھ پیلس

والیان ریاست بہاول پور کے محلات میں جس محل کو بہ لحاظ خوبصورتی اور وسعت و آرائش سب پر فوقیت حاصل ہے وہ صادق گڑھ پیلس ہے جو ڈیرہ نواب میں نواب صادق محمد خاں رابع نے ۱۸۸۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔[۳۸] اس محل کی تعمیر ماہر انجینئروں کی نگرانی میں ہوئی تھی اور اس وقت اس کی تعمیر پر تقریباً ۱۸ لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔ تعمیر کا کام تقریباً دس سال جاری رہا تھا جس کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے بعد ایک شاندار دربار منعقد کر کے اس کا افتتاح کیا گیا تھا۔ محل کے گرد ایک نہایت مضبوط، چوڑی اور پختہ فصیل ہے۔ فصیل کے اندر چاروں طرف گھاس کے خوبصورت پلاٹ ہیں جن میں رنگ برنگ پھولوں کے پودے اپنی بہار الگ دکھا رہے ہیں۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارت جس میں جمال وجلال کا حسین امتزاج رعب شاہی میں رعایا پروری کی جھلک دکھاتا ہے۔ اس کی سنگین بنیادیں اور لوہا اور لاٹ دیواریں دلفریبی اور خوشنمائی کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ محل کے ہر کونے میں ایک برجی اس طرح بنائی گئی ہے گویا پہرہ دار سپاہی ایوان شاہی کی حفاظت پر مامور ہیں۔ عمارت کے وسط میں نہایت حسین گنبد ہے جو رات کے وقت روشنیوں سے جگمگ کرتا ہے۔ محل کے چاروں طرف برآمدے ہیں۔ برجیوں کے نچلے حصوں میں تہ خانے ہیں جہاں قدرتی روشنی کے علاوہ بجلی کی روشنی کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

مرکزی ایوان کے اندر دربار ہال اور اسی کے متصل دونوں جانب آٹھ مکمل سیٹ ہیں جو معزز مہمانوں کے لیے مخصوص ہیں اور انہیں تمام ضروری سامان سے آراستہ کیا گیا ہے۔ خوابگاہوں سے لے کر ڈرائنگ روم، ڈریسنگ روم، غسلخانے اور دفتر کے کمرے ہر طرح خود کفیل ہیں۔ ہر کمرے کی چھت، فرش اور در و دیوار سے نفاست او رخوبصورتی ٹپکی پڑتی ہے۔ سامان آرائش اور فرنیچر بڑے اعلیٰ درجے کا ہے۔ کمروں میں قد آدم آئینے، بلوری خوشنما اور نفیس جھاڑ فانوس لگے ہوئے ہیں۔ کرسیوں، میزوں اور گلدانوں پر ایک ہی قسم کا رنگ ہے۔ عجیب وغریب تصویریں، آرٹ کے بہترین نمونے اور قیمتی پردے اس قصر عالیشان کی زینت و وقار میں اضافہ کر رہے ہیں۔

دربار ہال کی سجاوٹ دیکھنے کے قابل ہے اس وسیع وعریض ہال میں تخت شاہی بچھا ہوا ہے جس کے عقب میں ایک بہت بڑا آئینہ نصب ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب یہ آئینہ سمندری راستہ سے کراچی پہنچا تو اسے بہاولپور تک لانے کے لیے خاص ٹرک مہیا کیے گئے تھے اور کئی ریلوے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم محض اس کی خاطر وسیع کرنے پڑے تھے۔[۳۹]

محل کے پورچ کے سامنے سنگ مرمر کا ایک فوارہ نظر آتا ہے جو اس عمارت کی زیبائش میں چار چاند لگاتا ہے۔ محل کے ایک حصہ میں چڑیا گھر تھا جس میں دنیا بھر کے عجیب وغریب پرندے اور جانور تھے۔ اسی کے ساتھ ایک

میوزیم بھی تھا جس میں جانوروں اور پرندوں کے پنجروں کو کیمیائی طریقہ سے محفوظ کیا گیا تھا۔[۴۰] محل کا محل وقوع ایک ایسی جگہ اور اس کا نقشہ کچھ ایسی مہارت سے تیار کیا گیا ہے کہ یہ بیک وقت باغ کا منظر بھی پیش کرتا ہے اور صحرائی علاقہ بھی نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔محل کے گرداگرد باغ ہے لیکن اگر جنوبی دروازے پر آئیں تو پانی کے تالاب دکھائی دیتے ہیں اور دوسری جانب کے دروازے پر پہنچیں تو صحرا کا منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔محل کے احاطہ میں ہی توشہ خانہ اور کتب خانہ بھی ہے۔کتب خانہ میں مختلف موضوعات پر انگریزی، اردو فارسی اور عربی کی نادر کتابیں ہیں۔ بعض قلمی مخطوطے بھی ہیں جن میں سے اکثر مصنفین کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے ہیں۔[۴۱] یہ محل نواب محمد عباس خاں عباسی کے دور حکومت تک آباد رہا۔

بہاول پور کے تمام محلات میں ایک قدر مشترک ان کی طرز تعمیر میں اسلامی فکر کی جھلک ہے۔مثلاً وہ اطالوی طرز کا ہو یا مغربی انداز کا اس میں برجیاں اور گنبد ضرور ہوں گے۔چونکہ زیادہ تر محلات نواب صادق محمد خاں رابع کے عہد میں تعمیر ہوئے ہیں اس لیے اگر انہیں بہاول پور کا شاہجہاں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔انہیں نئی نئی عمارات بنوانے کا بڑا شوق تھا چنانچہ ریاست کی حدود میں محلات کے علاوہ بھی جتنی اہم عمارات ملتی ہیں وہ ان کے ہی عہد کی یادگار ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا محمد اشرف گورگانی و مولوی محمد دین، *صادق التواریخ*، (بہاول پور ۱۸۹۸ء) ص ۱۵۰

۲۔ شیخ انوار النبی *مختصر تاریخ بہاول پور*، (جالندھر ۱۹۴۰ء) ص ۶۳

۳۔ پنجاب اسٹیٹ گزیٹیر، جلد: XXXVII، بہاول پور اسٹیٹ ۱۹۰۴ء، سول اینڈ ملٹری گزٹ پریس، ص ۳۶۰

۴۔ مسعود حسن شہاب، *بہاول پور کی سیاسی تاریخ*، مکتبہ الہام (بہاول پور ۱۹۷۷ء) ص ۱۲

۵۔ نور الزماں احمد اوج، Cholistan Land and Prople، کارواں بک سنٹر ملتان ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۷

۶۔ عزیز الرحمٰن عزیز، *مولوی محمد اعظم*، **ماہنامہ العزیز**، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۲۱

۷۔ میر ناصر علی، *جغرافیہ ریاست بہاول پور*، (دہلی ۱۸۹۲ء) ص ۱۶

۸۔ مولوی شہامت علی، **The History of Bahawal pur**، (لندن، ۱۸۴۸ء)، ص ۳۰۔

۹۔ مولوی محمد اعظم، جواہر عباسیہ (قلمی) ص ۵۸

۱۰۔ پروفیسر محمد طاہر نے اپنے مضمون ''بہاول پور تاریخ کے آئینے میں'' (جو مجلّہ بانگ سحر ۹۱-۱۹۹۰ء گورنمنٹ کالج خانپور میں شائع ہوا) لکھا ہے کہ شیش محل ملتانی دروازہ کے باہر تھا۔یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ قرین قیاس یہ ہے جو

درست بھی ہے کہ نوابان نے بیرونی حملہ آوروں کے خوف سے فصیل شہر کے اندر ہی یہ محل بنوایا ہوگا۔اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب نواب محمد مبارک خاں نواب دوم کا آخری وقت تھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے مسجد کے اوپر ایک کبوتر بیٹھا دکھائی دے رہا ہے۔(مراۃ الغفور یہ قلمی صفحہ نمبر ۱۶۵ بزبان فارسی) یہ مسجد شہر کی قدیم جامع مسجد مچھی ہٹہ تھی کیونکہ ملتانی دروازہ کے باہر کوئی قدیم مسجد نہیں ہے۔(مولف)

۱۱۔ یہ وہی میر محمد کاظم علی بار بہ ہیں جن کو نواب بہاول خاں ثانی نے تحائف کے ساتھ دربار دہلی بھیجا اور شاہ عالم ثانی نے خوشنودی کے اظہار میں فرمان حکومت علاقہ کچھی (بہاول پور کے اردگرد کے علاقے کا نام اس وقت کچھی تھا) اور خطاب نصرت جنگ، حافظ الملک عطا فرمایا۔(صادق التواریخ صفحہ نمبر ۱۹۳)

۱۲۔ جواہر عباسیہ، بحوالہ سابقہ، ص ۹۳۔۹۲۔

۱۳۔ اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، جلد دوم، ص ۵۴۶۔۵۴۴۔

۱۴۔ ایضاً، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۷، سید محمد لطیف، تاریخ پنجاب، (کلکتہ ۱۸۹۱ء) ص ۲۹۹۔

۱۵۔ بہاول پور اسٹیٹ گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ۱۹۰۴ء، ص ۳۶۰۔

۱۶۔ میر ناصر علی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۵۔

۱۷۔ بہاول پور گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶۲۔

۱۸۔ میر ناصر علی، بحوالہ سابقہ، ص ۵۔

۱۹۔ عزیز الرحمٰن عزیز، صبح صادق، بار سوم، ۱۹۶۰ء، ص ۱۹۲۔

۲۰۔ ایک وقت میں ریاست بہاول پور میں سکے جاری رہے ہیں جس کے لیے یہاں باقاعدہ ایک ٹکسال تھی اور سندھ کی مشہور سیاسی شخصیت محمد ہاشم گزدر جو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے نائب صدر بنے تھے، اس ٹکسال کے مہتمم تھے۔(صبح صادق ص ۱۷۰)

۲۱۔ بریگیڈیر نذیر علی شاہ، صادق نامے، (لاہور ۱۹۶۹ء) ص ۱۳۹۔

۲۲۔ عزیز الرحمٰن عزیز، بحوالہ سابقہ ص ۱۹۳۔

۲۳۔ گزیٹیر، بہاول پور، بحوالہ سابقہ۔

۲۴۔ صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۱۔

۲۵۔ عزیز الرحمٰن عزیز، حیات محمد بہاول خاں، (۱۹۳۹ء) ص ۱۷۴۔

۲۶۔ صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۲۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۲۸۔ مشعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۳۔

۲۹۔ بریگیڈیر نذیر علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۱۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۳۲۔

۳۱۔ بہاول پور ریویو، محکمہ اطلاعات ریاست بہاول پور، نومبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۔

۳۲۔ صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۴۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔

۳۴۔ **صادق الاخبار**، (ریاست بہاول پور، مئی، ۱۹۵۵ء) ص ۳۔

۳۵۔ **ہفت روزہ الہام**، (بہاول پور، ۱۹۵۲ء) ص ۳۲۔

۳۶۔ بہاول پور اسٹیٹ گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۲۔

۳۷۔ صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۷۔

۳۸۔ بہاول پور اسٹیٹ گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۵۷۔

۳۹۔ ، بریگیڈیر نذیر علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۵۔

۴۰۔ **ہفت روزہ الہام**، بہاول پور نمبر، ۲۸ جون ۱۹۵۲ء، ص ۳۴۔

۴۱۔ **ماہنامہ العزیز**، صادق گڑھ پیلس (مضمون)، جولائی ۱۹۶۲ء، ص ۲۷۔

(نوٹ: راقم الحروف کو زمانہ طالب علمی میں صادق گڑھ پیلس کو دیکھنے کا موقع ملا تھا مگر بعد میں جائیداد کی تقسیم کے جھگڑوں کی وجہ سے اس محل کو سر بمہر کر دیا گیا)